سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

خواجہ جمیل احمد

ستمبر ۱۹۴۳ء کی ایک شام تھی۔ دہلی کی وسیع گاندھی گراؤنڈ میں لوگوں کا ٹھٹ لگا ہوا تھا جو شہرۂ آفاق مقرر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی تقریر سننے آئے تھے جن کے متعلق غالباً مولانا محمد علی جوہر نے ایک بار فرمایا تھا:

''شاہ صاحب! آپ کی زبان میں سحر ہے۔ اگر آپ نیکی کی تلقین کریں تو عوام کو راہِ راست پر لگا دیں گے اور اگر برائی کا پرچار کریں گے تو لوگوں کو گمراہ کر دیں گے۔''

یہ وہ زمانہ تھا جب اسلامی ہند میں مسلم لیگ کا ڈنکا بج رہا تھا۔ پنڈت جواہر لال نہرو کی مسلم رابطہ تحریک پورے طور سے ناکام ہو چکی تھی اور کانگریس اسلامی ہند کی سیاست کا میدان چھوڑ کر بھاگ گئی تھی۔ بے چارے نیشنسلٹ مسلمان اپنوں کے بجائے بیگانوں کے ہو کر رہ گئے تھے اور قائداعظم محمد علی جناح اسلامی ہند کے واحد لیڈر اور مسلم لیگ ان کی واحد قومی جماعت تھی جس کی آواز پر سارا اسلامی ہند لبیک کہنے کو تیار تھا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاری جو جماعتِ احرار کے عظیم رہنما تھے۔ قائداعظم اور مسلم لیگ کے سخت مخالف تھے۔ مسلم لیگ کو وہ نوابوں اور ٹوڈیوں کی جماعت سمجھتے تھے ''جو مسلمانوں کو گڑھے کی جانب لے جا رہی تھی۔''

گاندھی گراؤنڈ میں لاکھوں اشخاص کا جو سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اس میں زیادہ تر مسلمان تھے جو مسلم لیگ کے حامی اور قائداعظم کے پیرو تھے۔ یہ لوگ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سحر بیانی کو سننے آئے تھے اور خدشہ تھا کہ کہیں شاہ صاحب کی شعلہ بیانی اور مسلم لیگ کے خلاف ہرزہ سرائی رنگ نہ لائے اور جھگڑا نہ ہو جائے۔ اسی لیے پولیس بڑی تعداد میں وہاں تعینات تھی اور گشت لگا رہی تھی۔

رات کے آٹھ بجے شاہ صاحب جلسے میں تشریف لائے۔ سارا میدان اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھا۔ شاہ صاحب کی دیو قامت شخصیت ڈائس پر نمودار ہوئی۔ ان کے بھاری بھرکم جسم سے موسیقی کے مدھم سروں کی طرح آہستہ آہستہ آواز نکلنی شروع ہوئی، جو رفتہ رفتہ بلند ہوتی گئی اور آخر کار ایک گرج میں تبدیل ہو گئی۔ چار گھنٹے تک وہ گرجتے برستے رہے۔ انہوں نے قائداعظم اور مسلم لیگ کو خوب خوب سنایا۔ اچھی طرح ان کی خبر لی اور پوری طور سے ان کی قلعی کھولی۔ لیکن ان کی تقریر کا سحر لوگوں پر ایسا چھا گیا تھا کہ سارا مجمع دم بخود خاموشی سے ان کی سحر بیانی کو سنتا رہا اور ایک بھی آواز

مخالفت میں بلند نہیں ہوئی۔ میں بھی وہاں موجود تھا۔ شاہ صاحب نے بارہ بجے کے بعد جب اپنی تقریر ختم کی تو ایسا محسوس ہوا کہ ہم لوگ اس سحر سے آزاد ہو گئے جو شاہ صاحب نے سامعین پر کر رکھا تھا۔ راستے بھر ہم شاہ صاحب کی ہرزہ سرائی کا جواب اپنے دل سے دیتے رہے۔ دوسرے دن دوستوں میں زیادہ تر یہی تذکرہ رہا اور شاہ صاحب کے دلائل کی کاٹ ہوتی رہی۔

شاہ صاحب کی سحر بیانی کے تذکرے تو بہت سنے تھے لیکن انہیں بذاتِ خود سننے کا پہلا اتفاق تھا۔ جیسا سنا تھا اس سے زیادہ پایا۔ واقعی سید عطاء اللہ شاہ بخاری اس صدی کے عظیم ترین مقرروں میں جگہ پانے کے مستحق ہیں۔ شاہ صاحب ایک فقیر منش انسان تھے۔ امارت اور استعماریت سے انہیں ہمیشہ نفرت رہی۔ انہوں نے برطانوی استعمار، ان کے حواریوں اور ٹوڈیوں کی ہمیشہ مخالفت کی۔ ان کی زبان نے نوابوں اور خان بہادروں کو ہمیشہ کاٹ کی۔ وہ زندگی بھر غریب عوام اور اسلام کے پرجوش مبلغ رہے۔ مجلس احرار کے ایک اہم ستون ہونے کی وجہ سے انہوں نے مسلمانانِ پنجاب میں سیاسی اور مذہبی بیداری پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

شاہ صاحب ۱۸۹۲ء میں پٹنہ (بہار) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام حافظ ضیاء الدین احمد اور دادا کا نام سید نورالدین احمد تھا۔ ان کے دادا کشمیر سے جا کر پٹنہ میں آباد ہو گئے تھے۔ شاہ صاحب تین سال کے تھے کہ ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ شاہ صاحب جب سنِ بلوغت کو پہنچے تو نانا کے ساتھ امرتسر تشریف لائے، جہاں انہوں نے مولانا نور احمد پسروری، مفتی محمد حسن صاحب اور مولانا غلام مصطفیٰ صاحب قاسمی سے کتب علوم دینیہ کی تکمیل کی۔

پہلی جنگِ عظیم کے بعد جب برطانوی حکومت نے ہندوستان میں رولٹ ایکٹ نافذ کیا تو سارے ملک میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ جو آخر کار جلیانوالہ باغ کے عظیم المیہ میں انجام پذیر ہوئی۔ اس واقعہ نے شاہ صاحب کو سیاست کے میدان میں لا کھڑا کیا اور شاہ صاحب نے اپنی سحر بیانی سے ملک کے گوشے گوشے میں آگ لگا دی۔

شاہ صاحب حقیقی معنوں میں ایک عوامی انسان تھے۔ انہوں نے زندگی بھر کھدر کا لباس زیب تن کیا اور موٹا جھوٹا کھایا۔ تہبند کو سرکار دو جہاں کا لباس سمجھ کر ہمیشہ پہنا کرتے تھے۔ جہاں کہیں جاتے تو مسجد میں ٹھہرتے یا اپنے کسی غریب عقیدت مند کے یہاں قیام کرتے۔ امیروں سے وہ دور بھاگتے تھے۔ بڑے بڑے لوگ شاہ صاحب اپنے یہاں مہمان ٹھہرانے کی استدعا کرتے لیکن شاہ صاحب ہمیشہ ٹال جاتے تھے۔ کبھی کسی کی غیبت نہیں کرتے تھے۔ علماء کی بے حد عزت وتکریم فرماتے تھے۔ جب تک زندہ رہے اتحاد بین المسلمین کے لیے کوشاں رہے۔

شاہ صاحب کو علم و ادب اور شاعری سے دلی لگاؤ تھا۔ انہیں عربی، فارسی اور اردو کے ہزاروں اشعار یاد تھے۔ خود بھی بڑے پرمغز شاعر تھے۔ ان کی تقاریر ادبی لطائف اور موزوں اشعار سے پر ہوتی تھی۔ ان میں آواز کے جادو کے ساتھ ساتھ زبان اور بیان کی سحر انگیزی بھی ہوتی تھی۔

برطانوی استعمار کے خلاف شاہ صاحب نے پچاس سال تک مسلسل جنگ کی۔ان کی پرجوش خطابت نے ہندوستان سے انگریزوں کے قدم اکھاڑنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔جس کی پاداش میں کئی بار قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی پڑیں اور زندگی کے گیارہ بیش قیمت سال جیل کی چہار دیوار کے پیچھے گزار دیئے۔شاہ صاحب کا یہ قول مشہور ہے:''میں دنیا میں صرف ایک چیز سے محبت کرتا ہوں اور وہ ہے قرآن اور صرف ایک چیز سے نفرت کرتا ہوں وہ ہے انگریز۔''

شاہ صاحب نے ۷۱ سال کی عمر میں ۲۱/اگست ۱۹۶۱ء کو وفات پائی۔اور اس طرح اس ہنگامہ خیز زندگی کا خاتمہ ہوگیا جس کی تقریروں سے قصر استعمار میں بار بار زلزلہ آجاتا تھا۔

۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ کے المیہ نے شاہ صاحب کو ایک مبلغ سے ایک سیاسی رہنما بنادیا۔اسی سال دسمبر میں کانگریس کا سالانہ اجلاس ہوا۔جس میں علی برادران، گاندھی جی، پنڈت جواہر لال نہرو، ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خان' ایسے عظیم رہنما شریک ہوئے۔برطانوی استعمار کے خلاف بڑی دھواں دھار تقاریر ہوئیں۔لیکن شاہ صاحب کی شعلہ بیان کے سامنے ساری تقاریر ماند پڑ گئیں۔اور اس نے سامعین کے زبردست اجتماع میں ایک آگ لگادی۔سارے ہندوستان میں شاہ صاحب کا ڈنکا بجنے لگا۔بغاوت کے اس سیلاب کو روکنے کے لیے ۲۷/مارچ ۱۹۲۱ء کو تین بجے شب میں شاہ صاحب کو گرفتار کرلیا گیا۔تین سال قید بامشقت کی سزا ہوئی۔جس میں تین ماہ قید تنہائی میں رکھنے کا حکم دیا گیا۔

شاہ صاحب قید سے جب ۲۱/اکتوبر ۱۹۲۳ء کو رہا ہوئے تو ہندوستان میں شدھی سنگھٹن کی تحریک زوروں پر تھی۔برطانوی حکومت نے خلافت کانگریس تحریکوں کے اشتراک کے تحت ہندو مسلمانوں کے مثالی اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے پنڈت مدن موہن مالویہ اور سوامی شردھانند سے ساز باز کر کے شدھی سنگھٹن تحریک کو ہوا دی تھی جس کی بنا پر ہندوستان کے طول وعرض میں ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے تھے۔شاہ صاحب جب جیل سے رہا ہوئے تو ملک کی فضا بالکل بدلی ہوئی تھی۔ہندو کانگریس اپنے اصلی روپ میں ظاہر ہوچکی تھی۔مسٹر گاندھی مہاسبھائیوں اور خصوصاً پنڈت مدن موہن مالویہ کی مخالفت کرنے کی ہمت اپنے اندر نہیں پاتے تھے۔ستمبر ۱۹۲۲ء کو ملتان میں اور ۱۰/ستمبر ۱۹۲۴ء کو کوہاٹ میں ہندو مسلم فسادات ہوئے۔ہندوستان کے دیگر علاقوں میں ہندو مسلم فسادات برابر ہورہے تھے۔کوہاٹ کے فسادات کے خلاف بطور احتجاج گاندھی جی نے ۸/ستمبر ۱۹۲۴ء کو مرن برت رکھنے کا اعلان کردیا۔مولانا محمد علی کی تحریک کے تحت ۲۶/ستمبر ۱۹۲۴ء کو دہلی میں ہندو مسلم اتحاد کانفرنس منعقد ہوئی۔جو بے نتیجہ ثابت ہوئی۔شاہ صاحب نے ہندو مسلم فسادات کی ساری ذمہ داری انگریزوں کے سر ڈالی جو درحقیقت شدھی سنگھٹن تحریک کے محرک اور معاون تھے اور خفیہ طور پر ان کی مادی اور مالی امداد کررہے تھے۔شاہ صاحب نے اپنی دھواں دھار تقاریر میں انگریزوں کی اس سازش کو پوری طور سے بے نقاب کیا۔جس کی بنا پر ۲۵/جنوری ۱۹۲۵ء کو انہیں گرفتار کرلیا گیا۔انہیں چھ ماہ قید بامشقت اور پانچ سو روپے جرمانہ کی سزا ہوئی

۔قید سے رہائی کے بعد شاہ صاحب کو جب معلوم ہوا کہ ان کی جرمانے کی رقم محلّہ والوں نے ادا کر دی ہے تو انہیں سخت افسوس ہوا کہ حلال کی کمائی انگریزوں کے خزانے میں کیوں گئی اور کئی دن تک محلے والوں سے خفا رہے۔

شدھی سنگھٹن تحریک جب شدت اختیار کر گئی اور یہ محسوس ہونے لگا کہ ہندو مسلم اتحاد اب قصہ پارینہ ہو کر رہ گیا ہے اور آئندہ اس کی امید کرنا لاحاصل ہے۔کانگریس کے ہندو اکابرین بھی اس معاملہ میں بے بس نظر آتے تھے اور انہوں نے ہاتھ پیر ڈال دیئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے ہندو فرقہ پرستوں کے سامنے سپر ڈال دیا ہے یا وہ بھی در پردہ اس سازش میں شریک ہیں تو متعدد خلافی رہنما بھی کانگریس سے بدظن ہو گئے اور نہرو رپورٹ شائع ہونے پر علی برادران اور مولانا حسرت موہانی ایسے قومی رہنماؤں، جنہوں نے کانگریس کو ایک فعال جماعت بنایا تھا، کانگریس سے علیٰحدگی اختیار کر لی۔

شاہ صاحب نے بھی جب دیکھا کہ پانی سر سے اونچا ہوتا جا رہا ہے تو انہوں نے بھی ہندو مہاسبھائیوں اور فرقہ پرستوں کو انہیں کی زبان میں جواب دینے کا ارادہ کیا۔متعدد ہندو فرقہ پرستوں نے جن میں سوامی شردھانند اور راجپال خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔وہ جو فرقہ پرستوں کی یہ دریدہ دہنی کو کیسے گوارا کر سکتے تھے۔انہوں نے ان ہندو فرقہ پرستوں کے خلاف دھواں دھار تقاریر کر کے سارے ملک میں آگ لگا دی۔

راجپال کی کتاب کے خلاف جس میں سرورِ کائنات فخر موجودات ﷺ کی توہین کی گئی تھی۔۴؍جنوری ۱۹۲۷ء کی شب میں مسلمانانِ لاہور نے ایک اجتماع دہلی دروازہ سے متصل باغ میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا۔اسی دن لاہور کے انگریز ڈپٹی کمشنر نے شہر میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی۔فیصلہ کیا گیا کہ یہ جلسہ میاں عبدالرحیم کے احاط میں کیا جائے۔چنانچہ ایسا ہوا۔ مقررین میں مفتی کفایت اللہ، مولانا حبیب الرحمٰن، چودھری افضل حق اور شاہ عطاء اللہ بخاری تھے۔جلسہ شروع ہوا تھا کہ ڈپٹی کمشنر گارد لے کر وہاں پہنچ گیا۔اس کے انتباہ کرنے کے باوجود شاہ صاحب نے اپنی تقریر کو جاری رکھا۔انہوں نے کہا:

''آج ہم فخر رسل خاتم الانبیاء ﷺ کی ناموس برقرار رکھنے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔بنی نوع انسان کو عزت بخشنے والی کی عزت خطرے میں ہے۔آج اس جلیل القدر ہستی کی عزت خطرے میں ہے جس کی دی ہوئی عزت پر سارے موجودات کو ناز ہے۔''

سارے اجتماع پر سکوت طاری تھا۔سامعین مکمل خاموشی سے شاہ صاحب کی مسحور کن تقریر سنتے رہے۔لیکن جب انہوں نے ناموسِ رسول ﷺ کے تحفظ کے لیے اپیل کی تو سارا مجمع ایک آتش فشاں بن گیا جو پھٹ پڑنے کے لیے بے قرار تھا۔

غرض یہ کہ ہندوستان نے سید عطاء اللہ شاہ بخاری ایسے شعلہ فشاں اور سحر بیان مقرر بہت کم پیدا کئے ہیں۔

(''چند یادیں''، صفحہ ۹۳ تا ۱۰۰)